قرآن میں

یہودیوں کے عملی انحرافات

امتیاز علی سید

قرآن مجید نے کسی بھی قوم کی اس وجہ سے مذمت نہیں کی کہ اس قوم کا حسب و نسب قابل مذمت ہے ۔ اسی طرح قرآن میں صرف نسلی وابستگی کی بنا پر کسی قوم کی تعریف بھی نہیں کی گئی ۔ قرآن میں جہاں بھی کسی قوم کی مذمت کی گئی ہے وہ دراصل اس طرز عمل و طرز فکر کی مذمت ہے جو وہ قوم اپنا لیتی ہے ۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی قوم کے عنوان سے اس لئے مذمت کی گئی ہے کہ ان کا طرز فکر یہ تھا اور وہ اس گمان میں تھے کہ چونکہ وہ من حیث القوم صاحب فضیلت ہیں لہٰذا دنیا پر حکمرانی کا حق انہیں حاصل ہے اور جو بھی یہودی نسل سے ہے وہ نجات یافتہ ہے ۔ ایسے عقائد نسلی تعصب و تفاخر کی بنا پر ہوتے ہیں اور انہیں ختم کرنے کے لئے قرآن نے یہ روش اپنائی ہے کہ یہودیوں کو من حیث القوم مخاطب کیا جائے اور من حیث القوم ان کی مذمت کی جائے ۔

اس مضمون میں جب ہم یہودیوں کے عملی انحرافات کا جائزہ لے رہے ہیں تو یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن میں کی گئی مذمت کا مرکز یہ انحرافات ہیں نہ کہ یہودی نسل یعنی اگر یہی انحرافات ہمارے اندر بھی موجود ہوں تو ہم بھی قابل مذمت ہیں چاہے مسلمان نسل ہی سے کیوں نہ ہوں۔

یا بنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم و اوفوا بعھدی اوف بعھدکم ج وایای فارھبون - (بقرہ - ۴۰)

" اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی تھیں اور اپنے عہد کو پورا کرو تا کہ میں اپنے عہد کو پورا کروں ۔ "

اس آیہ شریفہ میں بنی اسرائیل کو اس لئے بطور قوم مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں بھی وہ خود کو اپنے قومی تشخص کے ساتھ باقی رکھنے پر زور دیتے تھے ۔ ان کا رویہ یہ تھا کہ اگر ہم نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں گے تو بھی بطور ایک قوم اور اگر انکار کریں گے تو بھی بطور ایک قوم ۔ بنی اسرائیل سے تورات میں کئی وعدے کئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں مومنین سے کئے گئے وعدے موجود ہیں ۔ اس آیت میں جس نعمت کو یاد کرنے کا کہا گیا ہے دراصل وہ نعمت ہے جو ایک قوم کو نجات دہندہ قوم کے عنوان سے ملتی ہے یعنی اگر کسی قوم کو حق کا پرچم بلند کرنے کی سعادت مل جائے تو یہ دراصل اللہ کی ایک نعمت ہے جس سے یہ قوم بہرہ مند ہے ۔ ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل کی ایسی ہی کیفیت تھی ۔ اس وقت انہیں یہ حیثیت حاصل تھی کہ وہ پوری دنیا میں ہونے والے ظلم سے ٹکرانے والے تھے ۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہی کیفیت مسلمانوں کی تھی ۔

حق و حقیقت اور مفادات کی جنگ :

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں ۔ قرآنی آیات میں بیان کردہ یہودیوں کے

انحرافات میں سے کچھ ان کے طرز عمل سے متعلق ہیں جبکہ کچھ کا تعلق ان کے نظریات و عقائد سے ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف ان کے عملی انحرافات کا جائزہ پیش کریں گے۔

یہودیوں کے طرز عمل میں پہلی قابل مذمت بات حقیقت کو مفادات کے لئے چھپانا ہے۔ ایک چیز آپ صحیح سمجھ رہے ہیں، آپ کو علم ہے کہ حقیقت یونہی ہے پھر آپ اس سے پہلو تہی بھی کر رہے ہیں کیونکہ وہ آپ کے مفادات کے خلاف ہے۔ یہ وہ طرز عمل ہے جس کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے۔

وامنوا بما انزلت مصدقاً لما معکم ولا تکونوا اول کافر
به، ولا تشتروا بأیٰتی ثمناً قلیلاً وایای فاتقون ○ بقرۃ-۴۱

اس آیت میں بظاہر تو دعوت ہے نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی لیکن دراصل یہ اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے جو نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کے بارے میں بنی اسرائیل نے اپنا رکھا تھا۔ گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ نبی اکرمؐ کی بعثت کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے لیکن تم ذرا سے مفاد کے لئے ان کی حمایت نہیں کرتے۔ نبی اسلامؐ چونکہ تمہاری قوم سے باہر کا ایک شخص ہے اس لئے تم ان کی حمایت سے کتراتے ہو بس یہی تمہارا مفاد ہے، وقتی ریاست، شہرت۔ بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ ہماری قوم چونکہ افضل ہے لہٰذا انبیاء کا سلسلہ بھی ہم میں سے ہی ہونا چاہیے۔ اگر قریش سے ایک شخص آگیا ہے تو یہ ہمیں قابل قبول نہیں ہے۔ جبکہ آنحضرتؐ کے تشریف لانے کی بشارت ان کی اپنی کتابوں میں موجود تھی اور ان کے علماء جانتے تھے کہ یہ برحق ہیں اور سچے ہیں لیکن آپ ﷺ کی تصدیق کرنا ان کے قومی مفادات کے خلاف تھا لہٰذا انہوں نے انکار کر دیا۔ اگلی آیت میں صراحت سے یہی بات کی گئی ہے۔

ولا تلبسو الحق بالباطل و تکتموا الحق و انتم تعلمون

"حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور حق کو نہ چھپاؤ جبکہ تم جانتے ہو۔"

یعنی یہ کہ تم سمجھتے ہو کہ یہ نبی برحق ہے اور اللہ کی طرف سے آیا ہے لیکن تم حق کو باطل کا لباس پہنا دیتے ہو اور حق کو چھپا لیتے ہو جبکہ تم جانتے بھی ہو کہ حق کیا ہے۔ تم سب سمجھتے ہو لیکن شعوری طور پر حق کو چھپا لیتے ہو۔ یہ وہ پہلا طرز عمل تھا جس کی قرآنی آیات میں مذمت کی گئی ہے۔

قول و فعل میں تضاد:

دوسرا قابل مذمت طرز عمل یہ تھا کہ یہودی دوسروں کو تو نصیحت کرتے تھے لیکن خود عمل نہ کرتے۔

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و
انتم تتلون الکتاب ط افلا تعقلون ۔بقرۃ-۴۴

"دوسروں کو تو تم نیکی کا امر کرتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔"

یہ طرز عمل چاہے مسلمانوں ہی میں کیوں نہ ہو قابل مذمت ہے۔ ہمارے یہاں یہ عام رواج ہے کہ ایک پارٹی دوسروں پر الزامات لگاتی ہے حالانکہ وہ خود بھی وہی یا ویسے ہی کام کر رہی ہوتی ہے۔

کفران نعمت:

یہودیوں کا ایک اور طرز عمل جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے، کفران نعمت ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۴۷ میں ہے کہ:

یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت
علیکم و انی فضلتکم علی العالمین

" اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے
تم پر نازل کی اور تمہیں عالمین پر فضیلت دی ... "

کہا جاتا ہے کہ جس مطلب پر آیت نمبر۴۰ نے اشارہ کیا تھا اس کی صراحت اس آیت میں آئی ہے ۔ یعنی اللہ کی وہ نعمت جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی وہ ان کی فضیلت تھی دیگر اقوام پر ۔ یہودی آج بھی اسی آیت قرآنی کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں : دیکھو خود تمہارا قرآن کہہ رہا ہے کہ ہمیں اللہ نے عالمین پر فضیلت دی ہے ۔ واضح سی بات ہے کہ یہ فضیلت دراصل ان کے آباؤ اجداد کو حاصل تھی جو اللہ کی نعمت تھی لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے کفران نعمت کیا ' اس نعمت کی قدر نہ کی اور اس فضیلت سے محروم ہو گئے ۔ یعنی یہ فضیلت بعنوان ایک نسل و قومی نژاد کے نہ تھی جو ہمیشہ نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی بلکہ یہ فضیلت اس قوم کا مقدر ہے جو حق کے لئے قیام کرے اور باطل کے خلاف نبرد آزما ہو ۔ مذکورہ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اب یہ نعمت بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کو منتقل ہو گئی ہے کیونکہ اب وہ قیام کر رہے ہیں اور حق کی آواز بلند کر رہے ہیں ۔ اگر تم دوبارہ یہ فضیلت حاصل کرنا چاہتے تو اس نبیؐ پر ایمان لے آؤ اور مسلمان بن کر بافضیلت ہو جاؤ ۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے بزرگوں کی نیکیوں کی بدولت بافضیلت کہلاؤ ۔ اگر وہ نیک و بافضیلت تھے تو یہ ان کے اپنے عمل کی وجہ سے تھا جبکہ تم جو کچھ ہو وہ اپنے عمل کی وجہ سے ہو ۔

قوم کے بارے میں قرآنی تصور :

سورہ بقرہ کی آیت نمبر۱۳۴ میں ہے :

تلک امۃ قدخلت لھا ما کسبت و لکم ما
کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعلمون ۔

" یہ وہ امت تھی جو گزر چکی ان کے لئے وہ تھا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماتے ہو جو وہ کرتے رہے اس بارے میں تم سے سوال نہ ہو گا ۔ "

اس آیت سے واضح ہے کہ قرآن نے قوم کو نسلی اعتبار سے نہیں ' زمانے کے اعتبار سے

لیا ہے ۔ یعنی ہمارا حساب و کتاب ہمارے اپنے زمانے کے لوگوں کے ساتھ اور اپنے حالات کے مطابق ہو گا جبکہ آباؤ اجداد کا حساب و کتاب ان کے اپنے زمانے کے مطابق ہو گا ۔ لہٰذا ہم اپنے اجداد کی نیکیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو بافضیلت نہ سمجھیں ۔

عہد شکنی :

کسی دین کو قبول کرنا ایک عہد ہوتا ہے ۔ اب اگر کوئی اس دین کے احکامات پر عمل نہ کرے یا اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی نہ گزارے تو گویا اس نے اپنے ہی کئے گئے عہد کو توڑا ہے ۔ سورہ بقرہ کی آیت ۴۰ میں " اوفوا بعھدی اوف بعھدکم .... " میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے کئے گئے عہد کو توڑ ڈالا ۔ یہودیوں نے جو عہد کئے تھے اس کی تفصیل سورہ بقرہ کی آیت ۸۳ میں ملتی ہے جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی بنیادی و اساسی تعلیمات پر عمل نہ کرنا اللہ سے عہد شکنی ہے ۔

و اذاخذنا میثاق بنی اسرائیل یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ :

(۱) لا تعبدون الا اللّٰہ --- اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ۔

(۲) و بالوالدین احساناً --- والدین سے نیکی کرنا ۔

(۳) وذی القربٰی والیتامٰی والمسکین -- رشتہ داروں ، یتامٰی اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۔

(۴) واقیموا الصلوٰۃ -- نماز قائم کرنا ۔

(۵) واتوالزکوٰۃ -- زکوٰۃ ادا کرنا ۔

(۶) لا تسفکون دماءکم --- ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا ۔

(۷) ولا تخرجون انفسکم من دیارکم -- ایک دوسرے کو بے گھر نہ کرنا ۔

یہ وہ سات عہد ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہے جن پر یہود نے عمل نہ کیا یعنی یہ سب ان

کے دین کا حصہ تھے لیکن انہوں نے اپنے دین پر ' ان تعلیمات پر عمل نہ کیا گویا عہد شکنی کی ۔

غیر سنجیدگی :

قرآن کریم میں یہودیوں کے جس طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے اس میں سے ایک غیر سنجیدگی ہے ۔ یہ کوئی مناسب طرز عمل نہیں کہ کسی اہم و سنجیدہ محفل میں ہنسی مذاق کیا جائے مثلاً نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہودی آپؐ کی محفل میں آ جاتے اور غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ' ہنسی مذاق کرتے رہتے ۔ یہ کتنی غیر معقولیت ہے کہ آپؐ محفل میں موجود ہوں ۔ آیات کا نزول ہو رہا ہو اور آپؐ ان آیات کی تلاوت فرما رہے ہوں ایسے میں کوئی ہنسی و ٹھٹھا کرے ۔ سورہ بقرہ کی آیت ۵۵ میں ہے :

و اذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتی نری اللّٰہ جھرۃ

" یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ کو ظاہر بظاہر دیکھ نہ لیں ۔ "

یہ وہ خواہ مخواہ کے غیر ضروری مطالبات تھے جو یہودی کیا کرتے تھے حالانکہ حقیقت ان پر عیاں ہو چکی تھی ۔ ان کی یہی غیر سنجیدگی تھی کہ انہوں نے کھانے کے لئے " من و سلویٰ " کا مطالبہ کیا اور جب " من و سلویٰ " آگیا تو کہنے لگے کہ پیاز ' لہسن وغیرہ لاؤ ہم سے یہ نہیں کھایا جاتا ۔ یہ سب مطالبات انہوں نے انتہائی سنجیدہ مقامات پر کئے یعنی جب صحرائے سینا میں ان کی تربیت کے لئے انہیں بھیجا گیا اور ایک مخصوص وقت انہوں نے وہاں گزارا تو اس دوران انہیں چاہیے تھا کہ اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی طلب کرتے اور اصلاح کرتے ۔ ایسے موقع پر طلب مغفرت کے بجائے غیر ضروری اشیاء کا مطالبہ ان کی غیر سنجیدگی کی علامت ہے ۔

سورہ بقرہ کی آیت ۵۸ میں ہے :

و اذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ فکلوا منھا حیث شئتم رغداً

" اور جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو اور جہاں سے دل چاہے کھاؤ ۔ "

یہ وہ مقام تھا جب یہود صحرائے سینا کے امتحان و تربیتی کیمپ سے نکل کر شہر میں داخل ہو رہے تھے ۔ گویا یہ اس کیمپ میں رہنے کا معاوضہ ہے جو مشکل کا دور تم نے گزارا ہے وہ ختم ہوا اب جہاں سے دل چاہے کھاؤ پیو لیکن ایک شرط عائد کر دی کہ :

وادخلوا الباب سجدا.... جب شہر میں داخل ہو تو اللہ کے شکرانے کا سجدہ کرو ۔

یعنی اللہ کو یاد رکھو اور یہ سجدہ کرو ۔ گویا اس طرح تھا کہ جیسے ہم رمضان المبارک کے روزوں کی سختیاں گزار کر عید کی تیاری کرتے ہیں کہ اب پابندیاں ختم ' خوشی کا موقع ہے جہاں سے اور جب بھی دل چاہے کھائیں پیئں لیکن کہا گیا کہ اس موقع پر اللہ کو نہ بھولنا نماز عید میں اللہ کا شکر کرنا ' سجدہ بجالانا اور اس کے نام پر فطرانہ دینا ۔

یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ شہر کے دروازے سے سجدہ کی حالت میں داخل ہونا اور

وقولوا حطة ـــــ اور داخل ہوتے ہوئے کہنا " حطة " یعنی بخش دے ۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سجدے کی حالت میں اللہ سے طلب مغفرت کرنا لیکن یہودی اپنے غیر سنجیدہ طرز عمل کے باعث مجبور تھے کہ کچھ نہ کچھ کریں لہٰذا انہوں نے اتنی چھوٹی سی بات قبول نہ کی اور اس لفظ کو بدل دیا ۔

فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم

" پس ان ظالموں نے لفظ بدل دیا جو انہیں کہا گیا تھا ۔ "

ایسی ہی ایک حرکت یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی انجام دیا کرتے تھے ۔

سورہ بقرہ آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہوتا ہے :

یا ایھاالذین آمنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا واسمعوا

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو " راعنا " نہ کہا کرو بلکہ " انظرنا واسمعو " کہا کرو ۔ "

عربی میں " راعنا " کے معنی ہیں ہماری طرف توجہ کریں ۔ قریش عرب میں یہ لفظ رائج تھا، توجہ کے لئے عموماً " راعنا " ہی کہا جاتا تھا یعنی ہماری طرف دیکھئے یا ہمیں توجہ دیجئے جبکہ یہودیوں کے یہاں اس کا ایک معنی " میری رعایا " تھا نیز کسی جانور کا نام بھی تھا ۔ جب یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں جاتے تو تمسخر اور مذاق کے لئے بار بار " راعنا " کا لفظ کہتے ۔ یہی وجہ تھی کہ اس آیت میں اس لفظ کے استعمال پر پابندی لگا دی گئی اور کہا گیا کہ " انظرنا " کہا جائے یعنی ہماری طرف نظر کرو ۔

قتل انبیاء :

یہودیوں کے مذمت شدہ طرز عمل میں سے ایک قتل انبیاء ہے ۔ سورہ انبیاء کی آیت ۹۱ کا آخری حصہ ہے ۔

قل فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ من قبل ان کنتم مومنین

" اگر تم مومن تھے تو پھر کیوں ان سے پہلے انبیاء کا قتل کرتے رہے ہو ۔ "

حکم خدا کی توہین :

یہودیوں کا ایک عملی انحراف یہ تھا کہ وہ حکم خدا کی توہین کیا کرتے تھے اس طرح کہ حکم خدا ہی میں سے کوئی نہ کوئی ایسی شق نکال لیتے تھے جس سے ان کا کام بھی چل جاتا تھا اور بظاہر حکم خدا کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی تھی اور یہ سب کچھ دراصل حکم خدا کی روح کو ختم کرنا اور اس کے ظاہر کو باقی رہنے دینا تھا ۔ مثال کے طور پر ایک حکم آیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں جبکہ اسی دن مچھلیاں پانی کی سطح پر زیادہ آ جاتی تھیں اور آسانی سے شکار کی جا سکتی تھیں ۔ یہودیوں نے یہ ترکیب کی کہ دریا کے ساتھ بڑے بڑے گڑھے بنا دئے اور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعے ان گڑھوں کو دریا سے ملا دیا ۔ ہفتہ کی رات وہ جا کر ان نالیوں کو کھول آتے ۔ ہفتے کا سارا دن دریا سے ان گڑھوں میں پانی آتا رہتا ۔ اس پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی آ جاتیں اور

وہ اتوار کو جا کر انہیں پکڑ آتے ۔ اس طرح وہ اپنا مقصد بھی نکال لیتے اور یہ بھی کہتے کہ ہم نے شریعت کی تو کوئی مخالفت نہیں کی ۔ حکم خدا میں اس قسم کی تاویل کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ اس طرح سے حکم خدا کی روح سلب ہو جاتی ہے ۔ اس واقعہ کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۶۵ میں ہے:

ولقد علتم الذین اعتدوا منکم فی السبت

" اور تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے ہفتے کے دن تجاوز کیا ۔ "

یہودیوں کی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے ظہور کی واضح نشانیاں تھیں لیکن جب آپؐ تشریف لائے اور دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور حکم خدا کی تاویلیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے اور وہ اسی دشمنی میں وحی محمد ﷺ پر لے آیا ہے ۔ سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ میں ہے :

قل من کان عدواً لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن اللّٰه

" کون ہے جو کہتا ہے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے ۔ ان کو بتا دو کہ جبرئیل نے اس قرآن کو تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے نازل کیا ہے ۔ "

جادو ٹونہ :

یہودیوں کا ایک اور طرز عمل جس کی مذمت قرآن حکیم میں آئی ہے وہ جادو ٹونے کی طرف رغبت ہے ۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۰۲ ' ۱۰۳ میں ہے :

واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمٰن

" یہ اتباع کرتے تھے اس کا جو شیاطین حضرت سلیمان کی حکومت میں پڑھا کرتے تھے ۔ "

یہ طرز عمل معاشروں کے لئے نہایت مضر ہے اور انہیں حقیقت پسندی سے دور کرتا ہے